راجندر سنگھ بیدی کی کردار نگاری

اجے کمار سنگھ

شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

افسانہ اردو ادب کی ایسی توانا صنف ہے جو اپنے شروعاتی دور میں ہی مقبول ہوگئی تھی۔ جب کہ دوسری صنفوں کو مشہور و مقبول ہونے میں کافی عرصہ لگ گیا۔ افسانہ درحقیقت اظہار خیال کے ایک مخصوص فن کا نام ہے اور اس فن میں ابتدائی دور میں منشی پریم چند نے طبع آزمائی کی اور کامیاب بھی ہوئے۔ منشی پریم چند کے بعد سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی نے افسانہ نگاری کو اس مقام پر پہنچایا کہ اردو ادب آج بھی ان کا احسان مانتا ہے۔ یہ سبھی افسانہ نگار ''ترقی پسند تحریک'' سے وابستہ تھے اور اسی وجہ سے ان کے یہاں زندگی کی کڑوی سچائیوں کی پیکر تراشی ملتی ہے۔ ان کی تخلیق اور تکنیک ایک دوسرے سے مختلف تھی پر کہیں نہ کہیں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے نظر آتے تھے۔ انہی میں سے ایک راجندر سنگھ بیدی بھی تمام تخلیقی خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کے افسانوں کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی فلم سامنے چل رہی ہو اور ہم اسے دیکھ رہے ہوں۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں اور ان کی افسانہ نگاری کا اہم جز کردار نگاری ہے جس پر ہم یہاں اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔

دراصل کوئی بھی کہانی جس طرح پلاٹ کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح کردار بھی اس کہانی کا اہم جز ہوتا ہے۔ اسی لیے راجندر سنگھ بیدی نے کرداروں کی اہمیت اور معنویت کو سمجھتے ہوئے اس طرح کے کردار اپنے افسانوں میں پیش کیے جیسے کہ حقیقی انسان کی داستان سنائی جارہی ہو۔ بیدی کے افسانوں میں زندگی افسانہ کے اختتام کے بعد بھی چلتی رہتی ہے اور شروعات سے پہلے بھی۔ ان کے افسانے آغاز و انجام کے محتاج نہیں ہیں۔ بیدی کے افسانے معاشرتی زندگی سے بہت متاثر رہے ہیں۔ خاص کر پنجاب کی تہذیب و معاشرت کا اثر ان کے افسانوں میں صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ کرداروں کی بول چال، زبان بھی اسی لحاظ سے اہم ہوتی ہے، اس پر بھی بیدی کا بہت گہرا مطالعہ ہے کیونکہ اگر ہم پنجاب کی بات کررہے ہوں اور کرداروں کی زبان اودھی ہو تو افسانہ کمزور ہوجائے گا۔ بیدی کے یہاں نسوانی کرداروں کو بہت بہترین طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ عورتوں کے حقوق، ان پر ہونے والے مظالم جذباتی انداز میں پوری فنّیت کے ساتھ بیدی کے افسانوں میں پائے جاتے ہیں اور عورتوں کے کرداروں کے نفسیاتی پہلو کو جتنے دلکش انداز میں بیدی نے پیش کیا ہے اتنے بہترین طریقے سے تو عصمت چغتائی نے بھی نہیں کیا ہے۔ دراصل ان کے یہاں کرداروں میں رشتوں کا رکھ رکھاؤ، زندگی میں رشتے کی اہمیت اور اُن رشتوں میں آنے والے تمام پیچ و خم، یہ سب بھی بہت اہم ہیں اور ان سب میں بیدی کو مہارت حاصل ہے۔ تہذیبی معاشرتی پہلو، مذہبی روادایاں، بیاہ شادی، آنگن، رسم و رواج کی بھی خوب صورت تصویر لفظوں کے ذریعہ پیش کی ہے۔ بیدی نے جس بھی کردار کو پیش کیا بالکل اسی نفسیات اور جزئیات کو افسانہ کی کہانی میں سمو کے اپنی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت پیش کیا۔ راجندر سنگھ بیدی نے اردو افسانہ کو اس مقام پر پہنچایا کہ دوسری زبانوں کے افسانوں کے ساتھ کھڑے ہوسکیں۔

بیدی کے افسانوں میں جیتی جاگتی تصویر اس لیے نظر آتی ہے کیونکہ یہ ترقی پسند تحریک سے جڑے ہونے کے ساتھ منشی پریم چند کے قول ''ہمیں حسن کا معیار بدلنا پڑے گا'' پر بالکل کھرے اترتے ہیں۔

پروفیسر وارث علوی کہتے ہیں ''بیدی کا ہر افسانہ زندگی کی چلتی پھرتی تصویر ہے۔''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی ص: ۱۷ جلد اول)

راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کا مطالعہ کر کے ایک بات تو مجھے سمجھ آئی جن کا اعتراف وارث علوی نے کلیات راجندر سنگھ بیدی میں کیا کہ ان کے افسانوں کا اسلوب اس طرح کا ہے کہ ان کو دھیرے دھیرے پڑھا جائے تو کردار کو سمجھنے میں مشکل نہیں ہوتی اسی پر سعادت حسن منٹو نے ان کے اسلوب پر اپنا اظہار خیال اس طرح کیا ہے:

''بیدی تم سوچتے بہت ہو لکھنے سے پہلے سوچتے ہو اور لکھنے کے

بعد سوچتے ہو۔''

راجندر سنگھ بیدی نے اچھی خاصی تعداد میں افسانے لکھے ہیں۔ان میں کچھ افسانے ایسے ہیں جو اردو افسانے کو نئے افق سے آشنا کرتے ہیں۔انہی افسانوں کے کرداروں کا ہم یہاں جائزہ لیں گے۔بیدی کے مشہور افسانوں میں ''بھولا''''گرم کوٹ''''لاجونتی''''لمبی لڑکی''''اپنے دکھ مجھے دے دو''''ایک چادر میلی سی'' کے کردار بہت اہم اور قابل ستائش ہیں اور مجھے یہ بات کہنے میں ذرا بھی گریز نہیں کہ ان افسانوں نے راجندر سنگھ بیدی کو اردو ادب میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

راجندر سنگھ بیدی کے یہاں ہر افسانوی کردار بالکل واضح ہے اور یہ ہنر ان کے افسانوں کی مقبولیت کا سبب بھی بنا کیونکہ بیدی عصری زندگی کو افسانہ میں پیش ہی کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔وہ کرداروں کے نام بھی ''اندو''''لاجو''''بھولا''''مدن''''رانو'' وغیرہ رکھتے ہیں کہ عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کی کشمکش جھلکنے لگتی ہے۔

افسانہ بھولا راجندر سنگھ بیدی کا مشہور افسانہ ہے۔اس میں کرداروں کی معنویت زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ چھوٹے بچے کے کرداروں کے ساتھ گھر کے بزرگ دادا جی اور بھولا کی ماں ''مایا'' کا کردار بہت اہم ہے۔

''بھولا'' اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔راجندر سنگھ بیدی کی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے افسانے کا مرکزی کردار ایک چھوٹے بچے کو بنایا ہے۔''بھولا'' ایک چھوٹا بچہ ہے جو ہر بچے کی طرح ضد کرتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں مان بھی جاتا ہے۔اسے کہانیاں سننا بہت پسند ہے۔رات میں سونے سے پہلے اسے اپنے دادا جی سے کہانیاں سننے کا بہت شوق ہے کیوں کہ اس کے دادا جی بہت ہی اچھی کہانیاں سناتے تھے اور اگر کسی دن دادا جی کہانی نہیں سناتے تھے تو وہ ناراض ہو جاتا تھا۔اس سلسلے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''بابا جی! آپ آج کہانی نہیں سنائیں گے؟''

''نہیں بیٹا!''—میں نے آسمان پہ نکلے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں آج بہت تھک گیا ہوں— کل دوپہر کو تمھیں سناؤں گا—''

بھولے نے روٹھتے ہوئے جواب دیا— ''میں تمہارا بھولا نہیں بابا۔

میں ماتا جی کا بھولا ہوں۔''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی، وارث علوی، ص:۴۳)

اس اقتباس میں کتنی بہترین تصویر نکل کے سامنے آئی ہے کہ بھولا کے دادا جی نے کہانی سنانے سے منع کر دیا تو بھولا ناراض ہو کے کہتا ہے کہ،''میں آپ کا نہیں ماتا جی کا بھولا ہوں۔''اس جملے نے بھولا کے کردار کو ثابت کر دیا کہ یہ احساس کسی بچے کا ہی ہو سکتا ہے۔بھولا کے علاوہ اس کے دادا جی کا کردار بہت جاندار تھا۔اس کے دادا جی بہت محنت کرنے والے شخص تھے اور بہت خوش مزاج بھی۔وہ ہمیشہ خوش رہنے پر یقین رکھتے تھے اور گھر میں بھی وہ بھولا کو بہت زیادہ پیار کرتے تھے اور روز رات کو اپنے پیارے پوتے بھولا کو اچھی اچھی کہانیاں سناتے تھے۔ایک دن دادا جی تھک گئے اور بھولا کو کہانی سننا تھی لیکن دادا جی نے تھکان کی وجہ سے منع کر دیا اور یہ کہا:

''بھولے، میرے بچے —دن کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی۔وارث علوی، ص:۴۶)

یہ بات اس کے ذہن میں بس گئی کیوں کہ اس کے ماموں بھی اسی دن آنے والے تھے اور وہ بھی بہت بے صبری سے انتظار کر رہا تھا کہ اپنے ماموں سے کہانی سنے گا لیکن جب اندھیرا ہو گیا تو اس کے دادا جی کی کہی ہوئی بات اسے سچ لگی اور وہ اکیلا ہی اپنے ماموں کو ڈھونڈنے نکل گیا اور وہ اپنے ماموں کو لے بھی آیا تھا۔

وہیں دوسری طرف دادا جی کے کردار میں بڑی سوچ والے انسان کی تصویر کشی کی گئی ہے۔وہ اپنی بہو سے ہمیشہ یہ بات کہتے رہتے کہ بیٹی اچھے اچھے کپڑے پہنو، اچھے اچھے گہنے پہنو۔یہ بات اس طرح کی لگتی ہے جس طرح سے راجہ رام موہن رائے نے ''ستی پرتھا'' کو ختم کرنے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر اپنی آواز بلند کی تھی تا کہ عورتوں کے حقوق کو محفوظ کیا جا سکے۔اسی طرح دادا جی بھی اپنی بہو کو یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ اس کے شوہر کے انتقال ہونے کے باوجود بھی دنیا ختم نہیں ہوئی ہے۔وہ یہ کہتے ہیں:

''میں اپنی بہو کے اس طرح کھل کر ہنسنے پر دل ہی دل میں خوش ہوا۔مایا بسیوں اور سماج اسے اچھے کپڑے پہننے کھیلنے کی پروانہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مایا نے اپنے آپ کو سماج کے روح فرسا احکام کے تابع کر لیا تھا۔اس نے اپنے تمام اچھے کپڑے اور زیورات کی پٹاری ایک صندوق میں ڈال کر کہیں پھینک دی ہے۔''

اقتباس یہ بتا رہا ہے کہ بھولا کے دادا جی اپنی بہو کے خوش ہونے سے

کتنا خوش ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بھولا افسانہ بہت دلچسپ افسانہ ہے۔ کہانی سننے کا ذوق اس افسانے کے پلاٹ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور کردار کو بہت اچھے طریقے سے ادا کیا گیا ہے۔

باقر مہدی نے ایک جگہ ''بھولا'' کے کردار سے متاثر ہو کر ایک بات کہی تھی کہ راجندر سنگھ بیدی کے بیشتر افسانوں میں بچہ کسی نہ کسی روپ میں سامنے آیا ہے اس کا سایہ تو کتنے ہی بڑی عمر کے کرداروں پر بھی پڑتا ہے، بیدی نے بچّے کو بہت کامیابی سے کردار بنا کے پیش کیا ہے''۔

بیدی کے بیشتر افسانوں میں عورتوں کو مرکزی کردار کی حیثیت حاصل ہے۔ انہی افسانوں میں ''لاجونتی'' افسانہ بھی اہم حیثیت رکھتا ہے۔ درحقیقت یہ افسانہ تقسیم ہند کے موقع پر ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور ہجرت کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ہزاروں لوگوں نے اپنے چاہنے والوں کو کھو دیا تھا، انہی میں سندر لال کی بیوی لاجو بھی شامل تھی۔ ''لاجو'' اس افسانے کا مرکزی کردار ہے اور افسانے کی کہانی لاجو کے ارد گرد گھومتی ہے تو ہمیں افسانہ پڑھ کر یہ پتہ چلا کہ ''لاجو'' پر سندر لال بہت ظلم کرتا تھا اور جب ''لاجو'' اس ظلم کو سہتی گئی تو سندر لال نے ظلم کی انتہا کر دی اور اتنا ظلم کرنے کے بعد بھی وہ سندر لال کی ایک مسکراہٹ کا انتظار کرتی تھی اور اس کی باہوں میں سمٹ جاتی تھی اور یہ کہتی:

''پھر مارا تو تم سے نہیں بولوں گی۔''

اس جملے سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ وہ ساری مار پیٹ کو بھول گئی ہے اور 'لاجو' کے ساتھ کم وبیش روز ایسا ہوتا تھا لیکن تقسیم کے بعد سب بدل گیا۔ جب لاجو کو سرحد پر سندر لال سے حاصل کیا تو تصویر بالکل بدل چکی تھی۔ وہ لاجو سے بالکل دیوی کی طرح برتاؤ کر رہا تھا۔ جب کہ لاجو اس برتاؤ سے خوش نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی، سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے، لیکن یہ نہ ہو سکا۔ جب لاجو کو سندر لال نے حاصل کیا تھا تو اس سے یہ سوال کیا:

''اچھا سلوک کرتا تھا؟''

''ہاں!''

''مارتا تو نہیں تھا؟''

لاجونتی نے اپنا سر سندر لال کی چھاتی پر سرکاتے ہوئے کہا، 'نہیں!'

اور پھر بولی، ''مارتا نہیں تھا۔۔ مجھے اس سے زیادہ ڈراتا تھا۔''

''تم مجھے مارتے بھی تھے اور میں تم سے ڈرتی بھی نہیں تھی۔ اب تو نہ مارو گے؟''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی۔ وارث علوی)

اس اقتباس میں لاجو کے دل کی بات سامنے نکل کر آ گئی کہ اسے اپنے شوہر کی مار بھی برداشت ہے، لیکن دوسرے انسان کی بات سے بھی ڈر لگتا ہے اور لاجو کا یہ کہنا بھی کہ میں تم سے مار کھانے کے بعد بھی نہیں ڈرتی تھی۔ تو اصل بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ سب پہلے جیسا ہو جائے، لیکن تصویر بدل چکی تھی اور اس لحاظ سے ''لاجونتی'' افسانے میں ''لاجو'' کا کردار بہت کامیاب رہا۔ لاجو کے علاوہ سندر لال کا کردار بھی بہت اہم ہے۔ سندر لال اپنی بیوی کے اوپر بہت ظلم کرتا تھا اور جب تقسیم کے دوران اس کی بیوی اس سے بچھڑ گئی تو اس کی یاد بہت آتی تھی اور وہ ساری باتیں سوچ سوچ کر اکیلا روتا تھا کہ میں کتنا خراب تھا، میں نے کتنا ظلم کیا اپنی لاجو پر۔ اس طرح سے سندر لال نے جب لاجو کو حاصل کیا تو اس کو بالکل دیوی کی طرح رکھا۔ اس کی ہر بات مانتا وہ جو کہتی وہ سنتا اور اس کو پورا کرتا اس میں اس انسانی جذبے کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جب کوئی اپنا دور ہوتا ہے تب اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ اسی جگہ جب سندر لال اپنی بیوی کو حاصل کرتا ہے، اس کا ویسا بدلا ہوا روپ نظر آتا ہے۔ جو وہ پہلے ظالم شوہر کے طور پر اس سے بالکل الٹ۔ کیوں کہ سندر لال کو لاجو کی اہمیت بتا دی تھی۔

لاجو کا یہ کہنا، ''اب تو نہ مارو گے'' کا جواب سندر لال اس طرح دیتا ہے، ''نہیں دیوی اب نہیں ماروں گا۔''

ان جملوں میں سندر لال کا وہ درد نکل کر سامنے آ گیا جو اس نے لاجو کی غیر موجودگی میں محسوس کیا تھا۔ اس لحاظ سے لاجونتی افسانہ لاجو کے کردار کے ساتھ سندر لال کا کردار بھی بہت اہم ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کا ایک اور بہترین افسانہ ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' اسی زُمرے کی اگلی کڑی کہی جائے گی کیونکہ اس میں بھی ایک مرکزی کردار عورت کی صورت میں ہے ''اندو'' جو اپنے شوہر ''مدن'' کے ساتھ رہتی ہے۔ بیدی نے اس افسانے میں مرکزی کردار کا نام ''اندو'' بہت سوچ سمجھ کر رکھا ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ:

> ''اندو پورے چاند کو کہتے ہیں جو موقع ہے حسن ومحسوسیت کا جو پھولوں کو رس اور رنگ دیتا ہے جو خوں کو ابھارتا ہے اور روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ ''اندو'' کو سوم بھی کہتے ہیں جو سوم رس کی رعایت سے آبِ حیات کا مظہر ہے جس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کہانی میں اندو کا جوڑا ''مدن'' سے ہے۔ مدن لقب ہے عشق ومحبت کے دیوتا 'کام دیو' کا۔ اندو کو بیدی نے ایک جگہ رتی بھی کہا ہے گویا کرداروں کے ناموں ہی سے رشتے کے مثبت اور منفی Elements کے ملنے اور تخلیق کے لامتناہی

عمل کے شروع ہونے کا آفاقی احساس پیدا ہونے لگتا ہے....
اندو موضوع اور مدن معروض....''

(بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں ''اردو افسانہ روایت اور مسائل ص:۴۰۹)

اس افسانہ میں ''اندو'' کے کردار کا سفر تخلیق سے تکمیل اور تکمیل سے تخلیق تک جاری رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح کی جس طرح چاند وقت بہ وقت گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اس طرح ''اندو'' کی زندگی میں نشیب و فراز آتے ہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ زمانے بھر کی جو تکلیف اُس کے شوہر کو ہے وہ مجھے بتائے، اپنا سارا غم مجھ سے بانٹے مجھے پیار کرے۔ اسی بیچ سہاگ رات کے وقت ''اندو'' نے اپنے شوہر ''مدن'' سے کہا میرے پاس بیٹھو مجھ سے بات کرو۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اب میں تمہاری ہوں۔ اپنے بدلے میں تم سے ایک چیز مانگتی ہوں'' روتے وقت بھی نشہ تھا۔ مدن نے کچھ بے صبری اور کچھ دریا دلی کے ملے جلے شبدوں میں کہا ''کیا مانگتی ہو۔ تم جو کہو گی میں دوں گا۔''

''پکّی بات؟'' اندو بولی۔

''مدن'' نے کچھ اتاولے ہو کر کہا ''ہاں ہاں.... کہا جو پکی بات'' لیکن اس بیچ میں ''مدن'' کے من میں ایک وسوسہ آیا۔ میرا کاروبار پہلے سے ہی مندا ہے اگر اندو کوئی ایسی چیز مانگ لے جو میری پہنچ سے باہر ہو تو پھر کیا ہوگا؟ لیکن اندو نے ''مدن'' کے سخت اور پھیلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ملائم ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے اور ان پر اپنے گال رکھتے ہوئے کہا ''تم اپنے دکھ مجھے دے دو''

(کلیاتِ راجندر سنگھ بیدی، مرتب وارث علوی، ص:۵۷۹)

کتنا نفسیاتی منظر ہے۔ ہر کوئی اسے پڑھ کر اس میں اپنے آپ کو تصور کرنے لگتا ہے۔ ہر افسانہ نگار کی اپنی تکنیک ہوتی ہے پر بیدی کے یہاں اس طرح کرداروں کو برتا گیا ہے کہ افسانہ کو نئی زندگی مل گئی ہے۔

افسانہ ''گرم کوٹ'' بھی بیدی کے شاہکار افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک متوسط طبقے کے کلرک کی داستان ہے جو اپنی معمولی سی تنخواہ کے سہارے اپنے پریوار کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کئی بار اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹا جاتا ہے کیونکہ ایک معمولی سی تنخواہ میں زیادہ خواب دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ''گرم کوٹ'' کا کردار ایمانداری اور جفاکشی کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔ ''شمی'' اس کی بیوی اور ''پشپا منی'' اس کی بیٹی کے بیچ جو وابستگی تھی وہ بہت ہی دلکش انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ''شمی'' اپنے شوہر کی تنخواہ میں اپنی تمام خواہشات اور اپنی بیٹی کی ضد کو کنارے کرتے ہوئے ایک ''کوٹ'' لانے کا فیصلہ کرتی ہے جسے پہن کر اس کا شوہر اپنے دفتر جایا کرے کیونکہ کڑاکے کی ٹھنڈ کے باوجود اس کے شوہر کے پاس پھٹا اور میلا کچیلا کوٹ ہے۔ جسے دیکھ کر ''شمی'' کو بالکل اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ بغیر بتائے اس کے لیے ایک کوٹ لے آتی ہے پر جب ''پشپا منی'' اپنے والد سے ضد کرتی ہے کہ اس کے اسکول میں سلائی کڑھائی اور اس کے سیکھنے کے لیے گرم کپڑا چاہیے تو اپنی بیٹی کی خواہش کو سن کر دونوں نے اپنی خواہشات کو دبا لیا۔

کتنا دلکش اور نفسیاتی پہلو ابھر کر سامنے آیا ہے کہ اپنے بچوں کے سامنے والدین کو اپنی تمام خواہشات کو کنارے رکھنا پڑتا ہے تاکہ یہ الزام نہ لگے کہ اس کے والدین نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ''گرم کوٹ'' سے ایک اقتباس یہاں پیش کرنا لازمی ہے۔

''شمی نے کوٹ کو خود ہی ایک طرف رکھ دیا۔ بولی ''میں خود بھی اس کوٹ کی مرمت کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔ اسے مرمت کرنے میں اُس گیلے ایندھن کو جلانے کی طرح جان مارنی پڑتی ہے..... آنکھیں دُکھنے لگتی ہیں۔ آخر آپ کوٹ کے لیے کپڑا کیوں نہیں خریدتے؟''

میں کچھ دیر سوچتا رہا۔

یوں تو میں اپنے کوٹ کے لیے کپڑا خریدنا گناہ خیال کرتا تھا، مگر شمی کی آنکھیں..... ان آنکھوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے میں ''منگل سنگھ'' تو کیا، تمام دنیا سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔ ورسٹڈ کے تھانوں کے تھان خرید لوں۔ گرم کوٹ کے لیے کپڑا خریدنے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہی تھا کہ پشپا منی بھاگتی ہوئی کہیں سے آئی اور آتے ہی برآمدے میں ناچنے اور گانے لگی۔ اس کی حرکات کتھا کلی مُدرا سے زیادہ کیف انگیز تھیں۔

مجھے دیکھتے ہوئے پشپا منی نے اپنا ناچ گانا ختم کر دیا۔ بولی بابو جی.... آپ آ گئے؟..... آج بڑی بہن جی (اُستانی) نے کہا تھا۔ ''میز پوش کے لیے دو سوتی لانا اور گرم کپڑے پر کاٹ لکھائی جائے۔ گُناماپ کے اور گرم کپڑا.....''

بیدی کا افسانہ ''لمبی لڑکی'' ایک بدنصیب لڑکی کی کہانی ہے جس کے لمبے ہونے کو اس کا عیب سمجھا جاتا ہے اور وہ اِس غم میں خودکشی کر لیتی ہے۔ اس افسانہ کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''بیدی نے لفظوں کے ذریعہ بتا کے دکھا دیا''۔ ''لمبی لڑکی'' کی کہانی میں گھریلو مسائل اور تذبذب کی عکاسی کی گئی ہے۔

دادی چاہتی ہے کہ اس کی پوتی جس کی شادی اس کے لمبے ہونے کی وجہ سے نہیں ہو پاتی تو ہو جائے۔ لڑکوں کی آمد و رفت رہتی ہے شادی طے ہوتی پر بعد میں یہ کہہ کر رشتہ توڑ دیا جاتا ہے کہ لڑکی بہت لمبی ہے اور لڑکی اپنے کو معیوب پا کر اس غم کو برداشت نہیں کر پاتی اور خودکشی کر لیتی ہے۔ وارث علوی نے کہا ہے:

> ''لمبی لڑکی' اچھا افسانہ ہے، بیدی کو بھی پسند تھا مجھے پسند ہے اور دوسرے بہت سے لوگوں کو یقیناً پسند آیا ہوگا۔ یہ نہ دادی کا افسانہ ہے، نہ پوتی، نہ شادی بیاہ کا، نہ گھریلو ناچاقیوں کا، یہ افسانہ بھی موت کا ہی ہے۔ موت آتی ہے پر نہیں آتی اور جتنی بار موت ٹلتی ہے زندگی اپنی تمام خرافات کے ساتھ در آتی ہے۔ زندگی کی خرافات کو افسانہ کا حشو و زوائد نہیں کہہ سکتے۔''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی جلد اول، وارث علوی، ص:۳۲)

جس طرح راجندر سنگھ بیدی کے بغیر اردو کے بہترین افسانہ نگاروں کی فہرست پوری نہیں ہوتی اسی طرح بیدی کی کردار نگاری کا تذکرہ کرتے وقت شاہکار ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' کا ذکر کیے بغیر بیدی کی کردار نگاری سے متعلق کوئی بھی جائزہ مکمل نہیں ہوتا۔

ایک چادر میلی سی راجندر سنگھ بیدی کا سب سے مشہور ناولٹ ہے۔ اس کے ہر ایک کردار کی اپنی ایک الگ شناخت ہے۔ ایک چادر میلی سی اتنا اچھا ناول ہے کہ اردو زبان کے علاوہ بھی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں اور فلمیں بھی بنی ہیں۔ ایک چادر میلی سی کا مرکزی کردار ''رانو'' ہے۔ اور اس کی کہانی رانو کے ہی ارد گرد گھومتی ہے۔ یہ ناول در اصل پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رائج ایک پرتھا پر مبنی ہے۔ جس کے مطابق گھر میں اگر کسی جوان بیٹے کی موت ہو جاتی ہے اور اس کی بیوہ موجود ہے تو اس کو چادر اڑھا کر اس کے دیور سے اس کی چادر کرا دی جاتی ہے۔ رانو ایک ان پڑھ اور معمولی سی عورت ہے جو گاجر پر لڑتی ہے اور مولی پہ مان جاتی ہے۔ اپنے شوہر کے تمام مظالم کو جھیلتے ہوئے بھی وہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور اس کے شوہر کی ایک مسکراہٹ ہی اس کی خوشی کا سبب ہوتی ہے اور وہ اس کی باہوں میں آ جاتی ہے۔ رانو کا شوہر ترلوک روز شراب پی کے آ کر رانو کو مارتا پیٹتا تھا اور گالیاں دیتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی مار سے نہیں بلکہ اس کی شراب سے پریشان تھی۔ کیوں کہ اس کا ماننا تھا کہ اگر شوہر دوسری عورت کے پاس جائے تو کچھ نہ کچھ بچا کے لاتا ہی ہے لیکن شراب تو کچھ نہیں چھوڑتی اور اس کی ساس بھی طعنہ دے کر کہتی رہتی کہ تجھے کیا وہ اپنی کمائی کا پیتا ہے۔ اس کی اور اس کے شوہر کی نہیں بنتی تھی۔ ایک بار تو وہ گھر چھوڑ کر جا رہی تھی تو اس کے سسر نے ہاتھ جوڑ کر منایا تھا۔ اس کے بعد اچانک تلوک کا قتل ہو جاتا ہے۔ رانو پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ کیوں کہ زندگی بہت بڑی تھی، اس کے بچے بھی بڑے ہو رہے تھے اور اس کا سہارا بھی چلا گیا تھا تو وہ بہت پریشان تھی کیوں کہ اس کی ساس تو اسے ویسے بھی پسند نہیں کرتی تھی اور تلوک کے قتل کی وجہ بھی وہ اسی کو ٹھہرا رہی تھی۔ تبھی اس کے گاؤں کی سہیلی نے آ کر اس سے کہا کہ سن، تو منگل ہی سے شادی کر لے۔ اس پر رانو نے کیا جواب دیا ملاحظہ ہو:

> ''رانو ایک دم کھڑی ہو گئی۔ یہ تو کیا کہہ رہی ہے چنوں، یہ نہیں ہو سکتا!''
>
> رانو نے کہا اور لرزہ چھانے لگا۔
>
> ''منگل بچہ ہے۔ میں نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے۔ عمر میں مجھ سے کچھ نہیں تو دس گیارہ سال چھوٹا ہوگا۔ نہیں! نہیں! میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔''

(کلیات راجندر سنگھ بیدی۔ جلد دوم۔ وارث علوی)

رانو کے اس انداز سے یہ تو صاف ہو چکا ہے کہ وہ ایمان کی بہت پکی تھی لیکن اتنی بڑی زندگی کو جینے کے لیے سہارے کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ تو اپنی سہیلی کے کہنے کے باوجود وہ منگل سے بیاہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو رہی تھی۔ بہت کہا سنا گیا اور زور زبردستی چادر کی رسم ادا کرنے کے لیے دن مقرر کیا گیا۔ جب منڈپ سجا ہوا تھا، اس کا ایک منظر یہاں پیش کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے:

> ''جب منگل کو رانو کے ساتھ بٹھایا گیا تو وہ لہولہان تھا اور رانو قلبی طور پر بیہوش، لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا اگرچہ چادر کی رسم معمولی ہوتی ہے اور اس میں بہت کچھ نہیں کہا جاتا، لیکن یہاں چندر، پورن دی، ودیا، کلکی اور چنڈی نے مل کر ایک پوری شادی کا سامان کر دیا تھا ورنہ سب ضائع ہو جاتا۔''

منگل اور رانو کی لاکھ مخالفت کے باوجود بھی ان دونوں کی شادی ہوتی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دن دونوں ایک دوسرے کو شوہر

بیوی تسلیم کر ہی لیتے ہیں۔ کیوں کہ منگل بھی جوان تھا اور کوئی بھی ہو جسم کے حسن سے نہیں بچ سکتا۔ تو ان دونوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ رانو نے منگل کو بچوں کی طرح پالا تھا اور منگل کو اپنی بھابھی میں ماں کی جھلک دکھی تھی اور منگل کو کسی اور سے محبت تھی لیکن وقت نے ان دونوں کو اس موڑ پر لا کے کھڑا کر دیا تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو تسلیم کر لیا تھا۔ رانو منگل سے ایک دن کہتی ہے:

''مجھے دو شلوار کا کپڑا لا دو.... تیوہار آ رہے ہیں۔''

کتنی فطری بات ہے۔ نئے کپڑے لانا خوشی کی علامت ہے اور تیوہار کا انتظار بھی انسان کی نفسیات ہے، ''رانو اور منگل'' دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے۔ ''رانو'' کے علاوہ بھی اس ناولٹ میں اہم کردار ہیں جس میں ''منگل'' بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ''تلوک، تلوک کی ماں'' وغیرہ کا کردار بھی بہت اہم ہے۔

ہم یہاں پر منگل کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ رانو کی زندگی میں آئے طوفان کا سیدھا اثر منگل پر پڑا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنی بھابھی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھنا پڑا۔ منگل ایک چلبلا نوجوان تھا جو اکّہ چلاتا تھا اور اچھی کمائی کر لیتا تھا۔ اسی دوران اسے گاؤں کی ایک لڑکی 'سلامتے' سے عشق ہو جاتا ہے اور دونوں ملتے جلتے رہتے ہیں۔ منگل نے اس سے شادی کا وعدہ بھی کر لیا تھا، لیکن بھائی کے قتل ہو جانے کے بعد سب گڑبڑ ہو گئی۔ پھر ایک دن اسے پتہ چلا کہ گھر والے اس کی شادی اس کی بھابھی رانو سے کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں تو اس کا جواب یہ تھا۔ ملاحظہ ہو:

''نہیں یہ نہیں ہوگا، یہ کبھی نہیں ہوگا۔'' اس نے بائیں ہاتھ کو ایک فیصلہ کن جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ جیسے وہ چھاٹے کو دیا کرتا تھا۔ جب گھوڑی بگلی کور کی میں ڈالتا ہو۔

پھر وہ بولا.... ''میں ماں کی گالی نہیں کھاتا۔ ان بچوں کی ماں.... یہ تو کیا، لاٹ ارون جارج پنجم بھی آ جائے تو بھی میں یہ کبھی نہ کروں۔ میری ماں کے برابر اس کی عمر ہے۔ سر اس کے پاؤں پر رکھ سکتا ہوں، پاؤں سر پر نہیں۔''

منگل کا شادی سے انکار کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ اس کو مار پیٹ کر منڈپ لایا گیا۔ خون میں لت پت بڑا دردناک منظر تھا۔

ان کرداروں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ''ایک چادر میلی سی'' کردار نگاری کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس ناولٹ کے بارے میں، ''بیدی ایک مطالعہ'' میں کہا گیا ہے:

> ''ایک چادر میلی سی محض عورت کی بپتا نہیں۔ گو جیسی بپتا رانو پر پڑی ہے کسی اور پر کیا پڑتی ہوگی۔ یہ تو نا مساعد حالات اور حیات کش قدروں کے خلاف ایک عورت کی جدوجہد کا افسانہ ہے۔''

(بیدی ایک مطالعہ، ص: ۴۳۵)

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ راجندر سنگھ بیدی کے ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' میں مرکزی کردار ''رانو'' کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور کردار کے ساتھ زندگی کے اتار چڑھاؤ، خوشی اور غم یا یوں کہیں کہ یہاں ایک حقیقی زندگی کی مکمل تصویر بھی پیش کی گئی ہے۔

بیدی کے افسانوں کا جائزہ لیتے ہوئے اکثر نسوانی کرداروں پر زیادہ توجہ رہتی ہے، لیکن بیدی کے یہاں مرد کردار بھی بہت حد تک توانا ہیں۔ افسانہ ''گرم کوٹ'' میں کاروباری ''منگل سنگھ'' جو کہ اپنے یہاں کام کرنے والوں کو بہت کم تنخواہ دیتا ہے پر وقت آنے پر مدد بھی کرتا ہے۔ اسی طرح ایک چادر میلی سی میں ''رانو'' کا دیور ''منگل'' جو کہ بہت کمسن ہوتا ہے، وقت نے اس کو اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں جیسی بھابھی کو اپنی بیوی بنائے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ باپ بن جاتا ہے۔

ایک چادر میلی سی میں جتنا اپیل کرنے والا کردار ''رانو'' کا ہے اتنا ہی مستند کردار منگل کا بھی ہے۔

ہم نے راجندر سنگھ بیدی کے اہم افسانوں اور ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' کا مجموعی مطالعہ پیش کیا اور اس کے کرداروں کے جائزے سے یہ اندازہ کیا کہ بیدی نے جس بھی کردار کو چنا اس کے ساتھ انصاف کیا پھر وہ چاہے وہ ایک چھوٹا بچہ ہو، ایک مظلوم عورت ہو، ایک پریشان شوہر ہو یا ایک بوڑھی ماں ہو۔ انھوں نے ان کرداروں کی مکمل شناخت اس کے عمل سے کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں کو بیدی کے افسانوں کے اہم کرداروں کے نام اب بھی زبانی یاد ہیں۔

مضمون اختتام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ راجندر سنگھ بیدی نے اردو افسانے کو نئے افق سے روشناس کرایا اس لئے فکشن کی کوئی بھی تاریخ راجندر سنگھ بیدی کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔

○○

○○